

ایمان، امانت اور امن

فضیلۃ الشیخ عبدالصمد رفیقی

کتاب و سنت اور فہم سلف کے مطابق اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔ اگر غور کیا جائے تو اس میں توحید کی ساری اقسام خود بخود آجاتی ہیں، لیکن اگر اس "تعریف" میں توحید کو صراحتاً شامل کیا جائے تو پھر یوں کہنا مناسب رہے گا: «اَلتَّوْحِیْدُ هُوَ الْإِیْمَانُ بِاللهِ وَإِفْرَادُهُ بِمَا یُخْتَصُّ بِهِ فِیْ ضَوْءِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَفَهْمِ سَلَفِ الْأُمَّةِ» "توحید سے مراد یہ ہے کہ کتاب و سنت اور فہم سلف کی روشنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا جائے، اسے اس کے ہر خاصے میں وحدہ لاشریک مانا جائے۔"

آئیں اب اس اصطلاحی تعریف (مفہوم) کی افادیت پر غور کریں۔ سردست صرف ایمان پر بات ہوگی۔ "ایمان" عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے بنیادی حروف تین ہیں: (ا-م-ن)۔ بنیادی حروف کا یہ مجموعہ (مادہ) درج ذیل معانی ادا کرتا ہے: ① دل کی تصدیق و تسکین ② تصدیق پر مبنی اقرار واعتراف ③ عزیز ترین چیز ④ امانت ⑤ امن و امان۔

ایمان اور تصدیق

تصدیق کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو سچا سمجھنا اور سچا کہنا، چاہے عقل و احساس کے دائرے میں آنے والی کسی بات کی تصدیق کی جائے یا کسی غیبی بات کی۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انھیں گہرے کنویں میں گرانے کے بعد اپنے والد سیدنا یعقوب علیہ السلام سے جھوٹ بولا کہ انھیں بھیڑیا کھا گیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا: ﴿وَمَآ أَنتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ﴾ "(ابا جان!) ہم سچے بھی ہوئے تو آپ ہماری تصدیق نہیں کریں

دارالسلام کے تمام شورومز پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



گے۔“ (یوسف 17:12) یہاں (مُؤْمِن) کا معنی ہے: ”تصدیق کرنے والا۔“ اس قسم کی تصدیق میں اگر خبر دینے والا معتبر نہ ہو تو پھر تکذیب کا بھی امکان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا یعقوب علیہ السلام نے انھیں سچا نہیں سمجھا۔ لیکن جب ایمان کا شرعی مفہوم سامنے ہو تو پھر عام قسم کی تصدیق مراد نہیں ہوتی بلکہ خاص قسم کی تصدیق مراد ہوتی ہے۔ اس تصدیق میں خبر کا تعلق صرف امر غائب سے ہوتا ہے، خبر دینے والے کا امانت دار ہونا لازمی ہوتا ہے اور تصدیق کرنے والا پوری محبت سے تصدیق کرتا ہے اور اس کے عملی تقاضوں کو بھی پورا کرتا ہے جس سے اس کے دل کو خاص قسم کا سکون اور چین ملتا ہے۔ اسی لیے متقی لوگوں کی ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے: ﴿يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ”وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں۔“ (البقرۃ 4:2) اور سیدہ مریم علیہا السلام کی بابت فرمایا: ﴿وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ﴾ ”اور اس نے اپنے رب کے کلمات اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔“ (التحریم 12:66) تاہم اگر زبان پر تصدیق ہو لیکن دل میں تصدیق نہ ہو یا دل میں تصدیق تو ہو مگر اس کے ساتھ نفرت بھی ہو تو یہ صورت کفر ونفاق کی تو ہو سکتی ہے ایمان کی نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر دل میں تصدیق بھی ہو اور محبت بھی ہو مگر عملی رویہ اس کے برخلاف ہو تو یہ ایک قسم کا فسق و فجور ہے۔

ایمان اور اقرار

علامہ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے مثالوں سے اس بات کو واضح کیا ہے کہ عربی زبان میں تصدیق اور ایمان کے لغوی استعمال میں بڑا فرق ہے، تاہم ایمان اور اقرار کا لغوی استعمال بڑی حد تک یکساں ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربی زبان میں ایمان سے صرف تصدیق مراد لینا درست نہیں ہے بلکہ ایمان سے ایسا اقرار مراد ہے جو تصدیق و تسلیم، قبول و رضا اور اطاعت و فرمانبرداری پر مبنی ہو۔ (شرح العقیدۃ الواسطیۃ: 55,54/1 وکذلك: 230/2)

ایمان، عزیز ترین متاع

علامہ ابن فارس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ عرب لوگ کہا کرتے ہیں: «أَعْطَيْتُ فُلَانًا مِنْ آمَنِ مَالِيْ، فَقَالُوْا مَعْنَاهُ: مَنْ أَعَزِّهِ عَلَيَّ» ”میں نے فلاں آدمی کو وہ چیز دی جو میرے محبوب ترین مال میں سے تھی۔ (معجم مقاییس اللغۃ: 134/1) اور واقعی سچے مومنوں کے لیے ایمان دنیا کی ہر قیمتی چیز حتیٰ کہ جان سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے۔

ایمان اور امانت

علامہ ابن فارس رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمزہ، میم اور نون (ا۔م۔ن) کے بنیادی معانی دو ہیں، ایک امانت دوسرا تصدیق۔ امانت کا مطلب دل کا سکون ہے، اس کی ضد خیانت ہے۔ (معجم مقاییس اللغۃ: 133/1) وجہ صاف ظاہر ہے کہ امانتداری سے دل کو سکون ملتا ہے اور خیانت سے سکون برباد ہوجاتا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے: «رَجُلٌ أُمَّانٌ» ”امانتدار آدمی۔“ اس لحاظ سے ایمان سے مراد بندے کے وہ پوشیدہ معاملات ہیں جو عموماً دوسروں سے اوجھل رہتے ہیں اور اللہ کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا، مثلاً: دل کی نیت، ارادہ، عقیدہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ اعمال جنھیں وہ تنہائی یا اندھیرے میں سرانجام دیتا ہے۔ ان اعمال میں بندے کی امانتداری کا امتحان ہوتا ہے اور اسی لیے یہ ایمان کہلاتے ہیں، واللہ اعلم۔

ایمان اور امن و امان

عرب لوگ کہتے ہیں: «بَيْتٌ اٰمِنٌ» امن والا گھر۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا...﴾ ”(اپنی دعا میں) ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا: اے میرے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنادے۔“ (البقرۃ 126:2) اسی سے «اَلْمُؤْمِنُ» کا لفظ ہے جو اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور ایک باعمل مسلمان کا لقب بھی ہے۔ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے تو پھر اس کا معنی ہوتا ہے: ”اجر وثواب کے وعدوں کو سچ کر دکھانے والا، اپنے فرمانبردار بندوں کو امن عطا کرنے والا، انھیں اپنے عذابوں سے بچانے والا۔“ ارشاد باری ہے: ﴿الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ...﴾ ”(سچا) بادشاہ (انتہائی) مقدس (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا...۔“ (الحشر 23:59) لیکن جب یہی لفظ کسی باعمل مسلمان کے لیے بولا جائے تو پھر اس کا مطلب ہوتا ہے ایمان لانے والا، اللہ کے دیے ہوئے امن و امان اور سکون و چین میں داخل ہونے والا۔ ارشادِ باری ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان کو سب سے بڑے ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں

دارالسلام کے تمام شورومز پر 1000 روپے کی خریداری پر ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



کیا، انھی کے لیے امن ہوگا اور وہ ہدایت پانے والے ہیں۔" (الأنعام 82:6)

اسلام کا مفہوم

اسلام کا لفظی ترجمہ ہے: خود کو کسی کے سپرد کردینا اور اس کی مکمل اطاعت و فرمانبرداری اختیار کرنا۔ تاہم اس دنیا میں کسی کو مسلمان بننے کے لیے کلمۂ شہادت کا اقرار کافی سمجھا جاتا ہے، یعنی جس نے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اسے مسلمان سمجھا جائے گا، اس کی تکفیر نہیں کریں گے جب تک اس کا مرتد ہونا ثابت نہ ہوجائے، لیکن کسی فرد یا فرقے کو مرتد قرار دینا یا کسی کو مرتد ہونے پر شرعی سزا دینا یہ کام خالصتاً حکومت کا ہے، عام آدمی کا نہیں ہے۔ ورنہ ساری امت ہی مرتد ہوجائے گی کیونکہ ہر فرقہ اپنے آپ کو صحیح سمجھتا ہے اور دوسرے فرقوں کو بدنام کرنے کے لیے اس پر ایسے من گھڑت الزام لگاتا ہے جو اگر اسے مرتد نہیں بناتے تو مسلمان بھی نہیں رہنے دیتے۔ اس مہم جوئی سے وہی محفوظ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہوا ہے باقی سب ملوث ہیں۔

لیکن یہ تو کوئی خوبی نہیں ہے کہ بندہ محض اپنے نزدیک صحیح ہو اور دوسرے سارے اس کے نزدیک غلط ہوں۔ اصل خوبی یہ ہے کہ بندہ اللہ رب العزت و الجلال کے نزدیک صحیح ہو۔

کتاب و سنت نے اقرار کے علاوہ چند خاص اعمال بھی بیان فرمائے کہ اگر کوئی شخص کلمہ طیبہ پڑھے، پھر وہ اعمال بھی بجالائے تو تب اسے مسلمان سمجھا جائے گا، مثلاً: وہ نماز پڑھے، مسلمانوں کے قبلہ (خانہ کعبہ) کی طرف رخ کرے، زکاۃ ادا کرے، مسلمانوں کا ذبح کیا ہوا جانور کھائے تو اسے مسلمان سمجھا جائے گا اور اسے مسلمانوں والے شہری حقوق حاصل ہوں گے، نیز وہ مسلمانوں والے حقوق ادا کرنے کا پابند ہوگا۔ (التوبۃ 5:9، و صحیح البخاري: 434,393) گویا کلمۂ شہادت کا اقرار اگر مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے تو یہ اعمال اس دعوے کی دلیل ہیں۔ اگر کوئی شخص ان اعمال میں سے کسی کا صاف یا نیم انکار کرتا ہے تو حکومت اس کا نوٹس لے گی۔ واللہ اعلم۔

علاوہ ازیں تمام ظاہری نیک اعمال کو بھی اسلام کہا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص وہ اعمال بجالاتا ہے تو اسے مسلمان ہی سمجھا جائے گا چاہے کسی لالچ کی بنا پر ایسا کرے یا کسی خوف کا شکار ہوکر ایسا کرے یا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو حاصل کرنے کے لیے ایسا کرے۔ اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ» "ان (کے دلوں) کا حساب اللہ پر ہے۔" (صحیح البخاري: 392) وہ علیم بذات الصدور ہے۔ اس کی نظر لوگوں کے دلوں پر بھی ہوتی ہے اور ان کے اعمال پر بھی۔ (صحیح مسلم: 6543)

ایمان کا شرعی مفہوم

ایمان جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے اور جس کا اس نے اپنے بندوں سے تقاضا کیا ہے، وہ ہے جس میں تین چیزیں اکٹھی ہوجائیں:

① زبان سے اقرار واعتراف ② دل سے تصدیق اور ③ تصدیق واقرار کے عملی تقاضوں کو نبھاتے ہوئے نیک اعمال بجا لانا۔ (نضرۃ النعیم: 646/3) کتاب و سنت میں غور کریں تو یہ تعریف شرعی دلائل سے مزین نظر آتی ہے۔

دل کی تصدیق پر ایمان کا اطلاق: ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾ "یقینا وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک اعمال کیے یہی سب لوگوں سے بہتر ہیں۔" (البیّنۃ 7:98) یہاں اٰمَنُوا سے مراد دل کی تصدیق ہے، آگے اعمال صالحہ کا ذکر الگ کردیا گیا ہے۔

زبان کے اقرار پر ایمان کا اطلاق: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا﴾ "اس کی وجہ یہ بنی کہ پہلے وہ ایمان لائے، پھر کافر ہوگئے۔" (المنافقون 3:63) یعنی انھوں نے زبان سے ایمان لانے کا اعلان کیا، پھر دل میں کفر کو چھپالیا یا مسلمانوں کے پاس آکر ایمان لے آئے اور پھر کافروں کے سامنے کفر کا راستہ اپنالیا۔ دونوں صورتوں میں یہاں «اٰمَنُوْا» سے مراد زبان کا اظہار و اعلان ہے۔

اعمال صالحہ پر ایمان کا اطلاق: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ "اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمھارے ایمان کو ضائع کردے۔" (البقرۃ 143:2) یہاں ایمان سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ تحویل قبلہ کے بعد کچھ لوگوں نے سوال اٹھایا کہ قبلہ کی تبدیلی سے پہلے پہلے جو لوگ نمازیں پڑھتے رہے ہیں اور وفات بھی پاچکے ہیں ان کی نمازوں کا کیا بنے گا؟ انھیں تسلی دی گئی کہ ان کی نمازیں ضائع نہیں ہوں گی انھیں ان کا اجروثواب ملے گا۔

عقیدہ و عمل دونوں پر ایمان کا اطلاق: پہلی امتوں میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ عذاب کے آثار دیکھتے ہوئے کسی قوم نے گڑگڑا کر توبہ کی ہو اور اس کے نتیجے میں عذاب کو ٹال دیا گیا ہو سوائے

دارالسلام کے تمام شورومز پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں



قوم یونس علیہ السلام کے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ”سوائے یونس (علیہ السلام) کی قوم کے جب وہ ایمان لائے ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب ہٹا دیا اور انھیں ایک وقت (مقرر) تک فائدہ دیا۔“ (یونس 98:10) یہاں ”جب وہ ایمان لائے“ سے مراد وہ دعا ہے جس میں انھوں نے توبہ کی اور عذاب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی۔ انھوں نے کیا سمجھ کر دعا کی تھی؟ کس بات سے توبہ کی تھی؟ ظاہر ہے کہ انھوں نے کفر کو چھوڑا، یونس علیہ السلام پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ سے عذاب ٹالنے کی دعا بھی کی۔ اس سارے عمل کو یہاں «اٰمَنُوْا» کہا گیا ہے۔ عموماً یہ سمجھا سمجھایا جاتا ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، حالانکہ بندہ جب کوئی عمل کرتا ہے تو اس عمل کی بابت اس کا کوئی نہ کوئی عقیدہ بھی ہوتا ہے۔ یہی عقیدہ ایمان ہے۔ انھوں نے جو کچھ سمجھ کر دعا کی وہ ان کا عقیدہ تھا، پھر دعا کے دوران توبہ کی، مسلمان ہوئے اور عذاب سے اللہ کی پناہ بھی مانگی تو ان کے سارے عمل کو ایمان کہا گیا ہے۔

ایمان میں کمی بیشی

جس طرح کچھ لوگوں نے کہا کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں، اسی طرح کچھ لوگوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ اعمال صالحہ ایمان کا رکن ہیں۔ پھر اسی بنیاد پر انھوں نے یہ فتویٰ لگا دیا کہ جو شخص اعمال صالحہ نہیں بجا لاتا یا گناہ کرتا ہے تو اس کا کلمے سمیت سارا ایمان ضائع ہوجاتا ہے، گویا وہ دنیا میں مرتد اور آخرت میں پکا جہنمی بن جاتا ہے۔ سب یا بعض تکفیریوں کی بھی یہی سوچ ہے۔ اپنی اسی سوچ کی وجہ سے وہ آج بھی مسلمانوں کو کافروں کے درجے میں رکھنے سے باز نہیں آتے۔ غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ کافروں کے لیے نرم اور مسلمانوں کے لیے گرم ہیں۔

حقیقت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہے، یعنی عمل نہ تو ایمان کا رکن ہے اور نہ ایمان کے دائرے سے بالکل باہر ہی ہے بلکہ ایمان کے لیے تکمیلی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے اور ایمان کی مقدار کو ظاہر کرتا ہے۔ جس قدر بندہ اعمال صالحہ کرتا ہے اسی قدر اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور جس قدر وہ گناہ کرتا ہے اسی تناسب سے اس کے ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ ایمان کی مضبوطی بندے کو نیک اعمال پر ابھارتی ہے اور نیک اعمال کی بجا آوری ایمان کو بڑھا دیتی ہے۔ یہ دونوں باتیں برحق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایک مجلس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے ستر ہزار افراد کسی حساب کے بغیر جنت میں داخل ہوں گے تو سیدنا عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ فوراً اٹھے اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں بھی ان میں شامل ہوں؟ فرمایا: ہاں، پھر ایک اور آدمی اٹھا اور اس نے بھی یہی بات پوچھی تو آپ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ”اس سعادت میں عکاشہ تم سے بازی لے گیا ہے۔“ (البخاري: 5752، و مسلم: 520-528) وجہ یہ ہے کہ خوشخبری جس وقت سنائی جارہی تھی اس وقت عکاشہ کا ایمان سب سے زیادہ تھا۔ ایمان کی اس زیادتی نے انھیں فوراً اٹھنے پر مجبور کردیا۔ واللہ اعلم! اسی طرح اعمال صالحہ کرنے سے ایمان بڑھتا ہے۔ آپ مشکل حالات میں اللہ کی رضا کے لیے کسی مستحق پر مال خرچ کریں، بعد میں آپ جب نماز پڑھیں گے تو اس کا مزا ہی کچھ اور ہوگا۔ ارشاد باری ہے: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا﴾ ”(اے نبی علیہ السلام!) ان کے مالوں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں۔“ (التوبة 103:9)

الغرض نیکیوں سے ایمان بڑھتا اور مضبوط ہوتا ہے جبکہ گناہوں کی وجہ سے یہ کم اور کمزور ہوجاتا ہے۔ لیکن یہ بات ایک نارمل انسان کے حوالے سے ہے۔ جبر وتشدد کی صورت میں صورتِ حال بدل جائے گی۔ تب اعتبار ظاہری اعمال کا نہیں ہوگا بلکہ دل کی کیفیت کا ہوگا۔ باقی رہی یہ بات کہ فلاں گناہ سے بندہ مرتد ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اگر بندہ اس گناہ سے واقعی مرتد ہوجاتا ہے تو پھر آیا وہ گناہ ملزم سے سرزد ہوا ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ گناہ ملزم سے واقعی سرزد ہوا ہے تو اسے توبہ کا موقع دیا جائے گا یا نہیں؟ حد ارتداد کو نافذ کیا جائے گا تو کب، کہاں اور کیسے؟ یہ سب باتیں اسلامی نظریاتی کونسل، وفاقی شرعی عدالت یا دیگر ملکی عدالتوں سے متعلق ہیں۔ ایک عام آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اصلاح کی بات کر سکتا ہے، عدالت جا سکتا ہے یا متعلقہ حکام کو اطلاع دے سکتا ہے، لیکن قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔

یہ بات طے ہے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرنے والا ہر فرد دنیا، قبر اور قیامت ہر جگہ امن و اطمینان پائے گا۔ اللہ ہر ایک کو نصیب کرے۔ آمین!

دارالسلام کے تمام شورومز پر 1000 روپے کی خریداری پر
ماہنامہ ضیائے حدیث کا تازہ شمارہ مفت حاصل کریں